زکوٰۃ و ٹیکس کی شرعی حیثیت

شمارہ ہذا میں دو مقالے "زکوٰۃ و ٹیکس کی شرعی حیثیت" کے بارے شائع کیے جا رہے ہیں جو محکمہ زراعت پنجاب کے شعبہ اطلاعات لاہور کے زیر اہتمام مجلس مذاکرہ میں پڑھے گئے۔ اگرچہ دونوں مقالہ نگار پروفیسر منظور احسن عباسی اور ڈاکٹر عبدالروف صاحبان اسلام کے پرخلوص شیدائی ہیں لیکن اپنے افکار میں زکوٰۃ و ٹیکس کو دو مختلف حیثیتوں سے دیکھ رہے ہیں۔ محدث کے مدیر اعلیٰ نے اسی مذاکرہ میں اسلام کے معاشی نظام کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے دونوں حضرات کے خیالات کا جائزہ بھی لیا تھا جو محدث کی کسی قریبی اشاعت میں پیش خدمت ہوگا۔ انشاء اللہ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب صدر و معزز حاضرین

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے سے کسی کو انکار نہیں بلکہ کوئی شخص انکار کر ہی نہیں سکتا کیونکہ ہم اپنی برہنہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ملائکہ افلاک سے لے کر حشرات الارض تک ہر فرد اپنی بقائے شخصی و نوعی کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس سے ماورا ایک اور صلاحیت ہے جسے ہم ارتقائی صلاحیت کہتے ہیں، بجز انسان کے کسی اور مخلوق میں نہیں ہے اجرام و جمادات کا تو ذکر ہی کیا نہ کوئی فرشتہ اپنی صلاحیتوں میں ترقی کر سکا اور نہ کوئی جانور اپنے وظائف حیات میں کوئی تبدیلی لا سکا۔ چنانچہ ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ مثلاً بیا کا گھونسلہ حیرتناک صناعی کے باوجود اب بھی وہی ہے جو ہزار سال پہلے تھا لیکن انسان پتھر اور دھات کے زمانے سے گزر کر اب برقی اور جوہری عہد سے گزر رہا ہے۔ اور آئندہ نہیں ... معلوم انسانی ارتقائی منازل کا آخری زینہ کونسا ہوگا؟

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی!

انسان کی ارتقائی صلاحیتیں خواہ کسی نوعیت کی ہوں اپنی تقویت یا تکمیل کے لیے چار قوتوں کی محتاج ہیں۔ یعنی تندہی، استقامت، ایثار، عزم۔ عہد حاضر کے

دانشمند اسے

1 submission.

2 Patience

3 Sacrefice

4 Resolution

کہتے ہیں ۔۔۔ ہماری دینی اصطلاح میں اسے خضوع، صبر، صدقہ اور یک جہتی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ انسان کی تمام مادی اور روحانی ارتقا کارانہ یا روحِ حیات ان ہی چار صلاحیتوں پر منحصر ہے اور ہماری عبادتیں ان ہی محاسن فطری کی مظاہر ہیں۔ چنانچہ نماز کی تکمیل خضوع وخشوع پر، روزے کی تکمیل صبر واستقامت پر، زکوٰۃ کی تکمیل صدقہ وایثار پر اور حج کی تکمیل عزم واعتماد پر موقوف ہے۔ اللہ تعالےٰ کے تمام ارشادات (یا قرآن حکیم) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جملہ تعلیمات (یا احادیث) کا مرکز تعلق یہی ہے۔

حیاتِ انسانی کی ان چہار گانہ صلاحیتوں کی صحت کا دارومدار ایک اور شے پر ہے جسے وحدانیت و تصورِ آخرت کہا جاتا ہے۔ یعنے جب تک کہ ان اعمالِ صالحہ کے ساتھ توحید الٰہی کا تصور نہ ہو۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سب بے معنی اور بے اثر ہیں۔ قرآنِ حکیم میں "ریاء" کی مذمت نہایت شدت سے آتی ہے۔ کیونکہ ریاء توحید الٰہی کے منافی ہے۔ ریاء اللہ کے تصور کو مٹا کر غیر اللہ کے تصور کو ابھارتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہلِ ریاء کی عبادتوں کا مقصد، عبادتِ الٰہی کے مفہوم سے بالکل جداگانہ ہے۔ عبادات میں اگر محض طاعتِ حق پیشِ نظر نہ ہو بلکہ کوئی اور مقصد ہو تو وہی مقصد انسان کا معبود بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے تصورِ توحید کو سب پر مقدم رکھا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اعمالِ صلوٰۃ کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے لیکن پیشِ نظر مقصد سحر خیزی کی عادت ڈالنا، پابندی اوقات۔ پاکیزگی جسم۔ ہلکی ورزش، ... چہل قدمی اور اہلِ محلہ یا اہلِ شہر سے ملنا جلنا، باہمی ہمدردی اور محبت واخلاص۔ اور نیک نیتی کے ساتھ جذبۂ ہمدردی کو فروغ دینا ہو، تب بھی اس سے نماز کے مادی فوائد تو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن روحانی برکات، جو نماز کا اصل مقصد ہے، وہ ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ نماز کا حکم ان مقاصد میں سے کسی مقصد کے لیے نہیں ہے۔ کسی دینی عمل کے مادی نتیجے کو مقصد قرار دینا

اسلامی نظریہ کے منافی ہے نماز ہم صرف اس لیے پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہر حکم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مادی فلاح بھی ملحوظ رکھی ہو جیسا کہ قرآنِ حکیم کی متعدد آیتوں سے مترشح ہوتا ہے۔ یہی حال دوسری عبادات کا بھی ہے۔

ملتِ اسلامیہ پاکستان کے سربر آوردہ دانش مندوں نے جن میں بعض مستند علماء و رہنما بھی شامل ہیں اسلامی عبادات کی برکات و فیوض کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کو موجودہ وقت کے تقاضوں کا قطعی اور مکمل حل بتایا ہے یہاں تک کہ قرآنِ حکیم کے حکم اقامتِ صلوٰۃ کے معنے نظامِ زکوٰۃ کا قائم کرنا بتایا گیا اور اس نظامِ صلوٰۃ کے قیام کو جملہ امورِ معاشی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اداروں کی بنیاد قرار دیا اور اسی کے ساتھ ہی حفظانِ صحت کے محکموں . . . . . کارخانوں اور بہم رسائی آب کے وسائل کو منسلک فرمایا۔ جس سے ان اصحاب کی عقیدت مندی اور نیک نیتی کا اظہار تو ضرور ہوتا ہے لیکن یہ یقین کرنا مشکل ہو گا کہ فی الواقع نماز پڑھنے سے یہ مسائل حل ہو جائیں گے۔ اگر فی الواقع نماز کا اعجاز ان مسائل کو حل کر بھی دے تو یہ تصور قطعاً ناروا خوش فہمی ہے کہ نماز کے سوا کوئی اور ذریعہ ان مقاصد کا حل نہیں ہے۔ اگر اس کے دوسرے ذرائع بھی ہیں تو اللہ کے حکم اور خود ساختہ مادی وسائل میں فرق کرنے کی کیا ضرورت رہے گی؟

معزز جنابِ صدر و حاضرین! اب تک جو کچھ میں نے عرض کیا اس کی بظاہر عنوانِ مدعا سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ مجھے یہاں اسلامی حکمِ زکوٰۃ پر کچھ عرض کرنا تھا لیکن اس طوالتِ تمہید سے میری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام کو اس کی معبودیت کی روشنی میں دیکھنا ہی اصل بندگی و عبادت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جہت سے احکامِ الٰہی کی اہمیت کم تو نہیں ہوتی لیکن اصل مقصد سے دور کر دیتی ہے۔

زکوٰۃ کے بارے میں صرف ایک نکتہ کو بہرحال پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کا حکم بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ اس عبادت کی بجا آوری خواہ ہمارے تمام معاشرتی مسائل کو حل کر دے یا کسی حیثیت سے کہیں اس میں خسارہ جائے تب بھی یہ بہرحال واجب العمل ہے۔ اس کے بعد وہ تمام بحث کہ آیا نظامِ زکوٰۃ قوم کی غربت و افلاس کے مسائل کو کہاں تک حل کر سکتا ہے عبث ہے۔ پھر اس سلسلہ میں اس امر پر اظہارِ اطمینان کرنا کہ زکوٰۃ کی رقم موجودہ ٹیکسز کی رقم سے کئی گنا زیادہ ہو گی اسی طرح بیجا ہے جس طرح اقامتِ صلوٰۃ کے بعد ٹیکسٹائل ملز کو

فروغ حاصل ہونے کی توقع بیجا ہے۔ آیا کوئی مسلمان ادائیگی زکوٰۃ کرتے ہوئے یہ کیوں سوچے کہ اس کے بعد کہاں تک ملک کا افلاس دور ہو جائے گا اگر بالفرض وصولِ زکات کے بعد بھی ملک افلاس کا شکار رہے تو کیا حکومت کے لیے روا ہوگا کہ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی کہ کہیں سے زکوٰۃ آئے تب ہی یہ مسئلہ حل ہو صدرِ مملکت نے اپنے بیان میں جو یہ کہا ہے کہ زکوٰۃ کے ساتھ دوسرے ٹیکسز بھی عائد رہیں گے اس کا یہی مطلب ہے۔ ادائیگی زکات کے لیے حکومت کے نظام کا یہ مقصد ہے کہ ہر شخص نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ادا کرے اور وصول شدہ زکوٰۃ مصرف مستحقین تک پہنچائے۔ یا اس امر کا اطمینان کرے کہ صاحبِ نصاب نے خود زکوٰۃ، مستحق شخص کو ادا کر دی ہے۔

فریضۂ زکوٰۃ کے متعلقہ مسائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے تاہم چند اہم زکات کا ذکر مناسب ہوگا مثلاً:

۱۔ کن اشخاص پر زکوٰۃ واجب ہے؟

۲۔ کن اشیاء (مال) پر اور کس قدر واجب ہے؟

۳۔ کن اشخاص کو زکوٰۃ لینے کا حق ہے؟

زکوٰۃ ہر اس مکلف مسلمان پر واجب ہے جسے اللہ تعالٰے نے مال کا مالک بنایا ہو ارشادِ باری تعالیٰ "وممّا رزقناھم ینفقون" کے یہی معنی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے شہرۂ آفاق خطبہ میں واشگاف الفاظ میں فرمایا" ادّوا زکوٰۃ اموالکم" (یعنی لوگو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔)

اموالِ زکوٰۃ میں یہ اشیاء داخل ہیں۔

أ۔ سونا، چاندی اور ان کی مصنوعات۔

ب۔ ہر گونہ اموالِ تجارت

ج۔ پالتو جانور۔

زراعت اور درختوں سے پیدا ہوتے والی اجناس اور پھل شریعتِ اسلامیہ میں ان جملہ اشیاء زکوٰۃ کی وہ مقدارِ محدود بتادی گئی ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس طرح وہ وقت بھی متعین فرمایا گیا ہے کہ زکوٰۃ واجب الادا ہو جاتی ہے۔

مثلاً سونے کی مقدار ۷½ تولہ یا چاندی کی مقدار ۵۲½ تولہ ہے۔ یہ مقدار یا

اس سے زیادہ سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو، تو اس کا ۱/۴۰ حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ اور اس قیمت کے مالِ تجارت پر بھی اس عرصہ کے بعد زکوٰۃ عائد ہوگی۔ اس مقدار کو نصاب کہتے ہیں۔ اونٹ کا نصاب کم سے کم ۵ گائے بیل وغیرہ کا ۳۰ اور بھیڑ بکریوں کا ۴۰ ہے۔

زرعی پیداوار کا نصاب میرے حساب کے بموجب کم و بیش ۲۰ من ہے اور بموجب آیتِ قرآنی "وآتوا حقه یوم حصاده" یہ زکوٰۃ، جسے عشر کہتے ہیں، اسی روز واجب الادا ہو جاتی ہے جس روز فصل کاٹی جائے۔ شریعتِ اسلامیہ نے ان تمام احکام کے عملی اقدامات کی ہر امکانی مشکل کو حل کر دیا ہے اور اب یہ صورت ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی اور فقہائے ملت کی رہنمائی میں اس پر عمل پیرا ہونے کے دستور العمل کو قانونی شکل دی جا سکتی ہے۔

اسلامی نظامِ عشر و زکوٰۃ کو عہدِ حاضر کی اصطلاح میں اسلام کے اقتصادی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس عاجز کو اس اصطلاح سے چڑ نہیں ہے لیکن میں اس کو عبادتِ الٰہی کے خالص دینی مفہوم سے کم درجہ کی حیثیت میں سمجھتا ہوں کیونکہ اسلامی نظامِ اقتصاد کے مفہوم میں وہ عظمت پس منظر میں چلی جاتی ہے جو عبادتِ زکوٰۃ کے مفہوم میں ہے۔

معزز حضرات! آپ اسے کم فہمی کہہ سکتے ہیں لیکن بری بدگمانی دیکھیے کہ ملک کے دانشور حکیم زکوٰۃ کو ایک بہترین اقتصادی نظام قرار دے کر اس کی جس قدر زیادہ تعریف کرتے ہیں، مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ کسی آئینی یا جمہوری مملکت کے اقتصادی نظام کا قصیدۂ مدحیہ پڑھ رہے ہوں۔ نظامِ زکوٰۃ کے مداحوں کی تقریر اور مضامین اکثر نہایت شوق سے سنتا اور پڑھتا ہوں اور بے ساختہ سبحان اللہ بھی کہہ دیتا ہوں کیونکہ یہ اصحاب نہایت وضاحت سے یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نظامِ زکوٰۃ انسانی ہمدردی اور بنی نوعِ انسان کی بہبود کا ضامن ہے، جہالت اور غربت کا علاج ہے۔ سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی کا دشمن ہے اور انسان کے بنیادی حقوق کا محافظ ہے وغیرہ۔ لیکن محاسنِ زکوٰۃ کی اس فہرست میں اس عاجز کی نظر سے زکوٰۃ کی وہ صفت کہیں نہیں گزری کہ یہ عملِ خیر سب سے زیادہ خود زکوٰۃ گزار کو ہلاکت سے بچاتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ حکیم میں زکوٰۃ کی یہی صفت آئی ہے کہ "انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة واحسنوا ان الله یحب المحسنین" (البقرۃ ع ۲۴) کہ "راہِ خدا میں خرچ کرو اور اپنی ہستی کو ہلاک ہونے سے بچاؤ۔ احسان کرو، اللہ احسان کرنے والے

کو پسند کرتا ہے)

"وما تنفقوا من خیر فلا نفسکم!" (البقرہ ع ۳۷) یعنی

"وہ خیرات جو تم دو گے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے!"

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا" (توبہ ع ۳) یعنی لوگوں کے مال میں سے خیرات وصول کیجئے، اس سے آپ انہیں پاک اور پاکیزہ صفت بنا دیں گے"

قرآنِ حکیم میں جابجا زکوٰۃ کی تحسین فرمائی گئی ہے لیکن اس کے فوائد و برکات کا کہیں بھی وہ ذکر نہیں ہے جو عہدِ حاضر کے دانشمند بیان کرتے ہیں اور عجیب تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی صفات کا ذکر نہیں فرماتے۔ سورۂ بقرہ کے سترہویں رکوع میں مالِ مکسوبہ کی زکوٰۃ اور پیداوار کے عشر کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ: "الشیطان یعدکم الفقر و یأمرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا" (یعنی شیطان بہترین اشیاء کی خیرات کرنے والے کو بہکاتا ہے کہ تم محتاج ہو کر رہ جاؤ گے حالانکہ اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ اس سے تمہارے گناہوں کی مغفرت ہو گی اور اللہ کا فضل شاملِ حال ہو گا) یعنی اس آیت میں بھی عوام کی بہبود سے قطع نظر خود خیرات کرنے والے کو مغفرت و فضل کی بشارت دی گئی ہے۔

الغرض قرآنِ حکیم میں اس مفہوم کی متعدد آیات ہیں جن میں زکوٰۃ دینے والے کی [illegible] اپنی بہبود کا ذکر ہے اور ان برکات و فوائد کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے جو عہدِ حاضر کے دانشمند بیان کرتے ہیں۔

محترم حضرات! اس سلسلہ میں سورۂ بقرہ کی ابتدائی دو تین آیات پر بھی غور کرنا مناسب ہے،

الم ذلك الكتب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين يؤمنون بالغيب و يقيمون الصلوة ومما رزقنهم ينفقون ۵" (یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کی صداقت میں مطلقاً شائبۂ شک نہیں کہ یہ ان احتیاط سے قدم اٹھانے والوں کے لیے راہِ عمل دکھاتی ہے جنہیں امورِ غیبی پر ایمان ہے، جو خوش اسلوبی سے نماز پڑھتے اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں"

یہاں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے والوں کو متقی کے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔

ممکن ہے کہ ایک منطقی ذہن میری گزارشات پر مطمئن نہ ہو یہ سوال ہو سکتا ہے کہ بہر حال زکوٰۃ کے جو فوائد دانشمند حضرات بتاتے ہیں وہ بجائے خود شریعتِ اسلامیہ حکمِ زکوٰۃ کے موجد ہیں، منافی

تو نہیں ہیں ہر چند کہ میں اس سوال کا جواب نہ دے سکوں لیکن میرا ذہن اس اضطراب سے محفوظ نہیں رہ سکا کہ یہ تمام فوائد نظامِ زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور اقتصادی نظام سے بھی حل ہو سکتے ہیں چنانچہ ایک طبقہ کا خیال یہ ہے کہ یہ فوائد بعض لادینی نظام میں بھی مشاہدہ کیے جاتے ہیں بلکہ اہل عقل کا ایک طبقہ شریعت کی متعین موجودہ زکوٰۃ کو اشتراکی نظام سے ہم آہنگ کرتے میں فخر محسوس کرتا ہے یہاں تک کہ ایک صاحب نے قرآنِ حکیم کی آیت "ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو" اس آیت میں "عفو" کا یہ مطلب بیان کیا کہ عفو کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم ہے اور عفو کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ بنیادی ضروریات جس سے مراد بالعموم روٹی۔ کپڑا اور مکان ہے، سے بچ رہے وہ سب راہِ خدا میں دے دیا جائے۔ اور اس کی تائید میں یہ فلسفہ بیان کیا جاتا ہے کہ بندہ کسی مال کا مالک نہیں ہے! سوشلزم یا اشتراکیت کے نظام اقتصادی کی بنا یہی ہے۔ اگر زکوٰۃ کے حامیوں کا یہ رجحان نہ ہو تو پھر اضطراب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے اخلاقی اور معاشی فائدوں کے علاوہ ایک اور فائدہ بھی ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے اور وہ معاشرتی فائدہ ہے۔ یعنی صاحب مال پر زکوٰۃ کا عائد کرنا ایک قسم کا جرمانہ ہے جو اس جرم کی پاداش میں کیا جاتا ہے کہ صاحبِ مال سال بھر تک اپنی دولت کو بند رکھ کر ان فوائد سے معاشرہ کو محروم رکھتا ہے جو اس مال کو کاروبار میں لگانے سے عوام کو حاصل ہوتا۔ اس عاجز کے نزدیک تمام ملک اور ملت کی یہ سب سے بڑی خدمت ہے کہ اس کی ہمہ جہتی ضروریات مہیا ہوتی رہیں۔ اکتنازِ دولت ملک وملت کو ان فوائد سے محروم کر دیتا ہے جو صنعت وحرفت اور تجارت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کا انسداد اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ "سرمایہ بیکار نہادردن" کی پاداش میں کوئی جرمانہ عاید کیا جائے۔ مالِ فئے کی تقسیم کے بارے میں قرآنِ حکیم نے جو حکمت بیان فرمائی ہے "کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم" (حشر-۷)، یعنی مبادا کہ دولت تمہارے امیروں ہی کے ہاتھوں میں گھومتی رہے، اور اس کا عوام کو کوئی فائدہ نہ ہو وہ یہاں بھی عائد ہوتی ہے پس اگر صاحبِ مال دولت کو کام میں نہیں لاتا تو جرم کرتا ہے۔ اور زکوٰۃ اس کی سزا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام میں زکات کو ایک فریضۂ الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کا تارک مستوجبِ عذاب ہے۔ قطع نظر اس سے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی بے شمار فوائد پر منتج ہو۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ وہ فلاح وبہبود ہے جو انجام کار خود زکوٰۃ ادا کرنے والے کو حاصل ہوگا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کی بجا آوری میں صرف خدا اور رسولؐ کے حکم کی اطاعت پیش نظر ہو اور اسے محض عبادت تصور کیا جائے یعنی عبادتِ زکوٰۃ کی شرائط وارکان کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اور ضابطۂ زکوٰۃ کی اصطلاحات کو